35

خدا تعالیٰ نے فیصلہ کیا ہے کہ احمدیت کے ذریعہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حکومت دنیا میں پھر قائم کرے

(فرمودہ 28نومبر 1941ء)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''بنی نوع انسان نے اپنے تجربہ سے یہ بات معلوم کی ہے کہ دنیا کی ترقی کا راز یہ ہے کہ جو بہترین چیزیں ہیں انہیں قائم رکھا جائے اور ان کو پہلے سے زیادہ بڑھانے اور ترقی دینے کی جد و جہد کی جائے۔ دنیا کی ہر چیز کے متعلق انسان نے اس رنگ میں کوشش کی ہے اور اس کے نتیجہ میں دنیا کو پہلے سے زیادہ بہتر بنا دیا گیا ہے۔ غلہ انسان کے کھانے کی چیز ہے مگر غلہ کے بیجوں کو ہی ترقی دے کر انسان نے کہیں کا کہیں پہنچا دیا ہے۔ گندم کو ہی لے لو آج سے چالیس پچاس سال پہلے گندم کی جو پیداوار فی ایکڑ ہمارے ملک میں ہوتی تھی اب اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ فن زراعت کے ماہرین نے گندم کے بیجوں کو ترقی دے کر انہیں ایسا اعلیٰ بنا دیا ہے کہ اب دانہ پہلے سے زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ دانوں سے آٹا زیادہ اچھا نکلتا ہے اور پیداوار فی ایکڑ پہلے سے بہت زیادہ ہوتی ہے حالانکہ ہمارے ملک بالخصوص پنجاب کے لوگ عام طور پر نئی ایجادوں سے بہت گھبراتے ہیں مگر آہستہ آہستہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس معاملہ میں زمیندار گورنمنٹ کی ہدایات اور اس کی راہ نمائی کو قبول کرنے پر تیار ہو گئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں میں چلے جاؤ۔ تمہیں زمیندار

آپس میں یہ باتیں کرتے نظر آئیں گے کہ آٹھ الف گندم بونی ہے، 591 بونی ہے، 518 بونی ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر اچھا بیج زمین میں ڈالیں گے تو پیداوار زیادہ ہو گی، دانہ اچھا ہو گا اور آٹا زیادہ نکل سکے گا۔ اسی طرح گنّا ہے۔ ہمارا یہ ضلع گنّے کے لئے خاص طور پر مشہور ہے حالانکہ یہ میرے اپنے ہوش کی بات ہے کہ بِالعموم یہاں ایسا گنّا ہوتا تھا کہ اس میں اور سرکنڈے میں کوئی زیادہ فرق محسوس نہیں ہوتا تھا۔ نہایت باریک اور سخت گنّا ہوتا تھا اور جب بچپن میں ہم اسے چوستے تھے تو چوستے وقت ہمارے ہونٹوں اور زبان پر زخم ہو جاتے تھے مگر دیکھ لو اب اس گنّے میں ہی کتنی ترقی ہوئی ہے۔ جب گنّے کے بیج کی حفاظت کی گئی اور اسے بڑھایا گیا تو نہایت اعلیٰ قسم کے گنّے پیدا ہونے شروع ہو گئے اور پیداوار بھی آگے سے بہت بڑھ گئی۔ اسی طرح کپاس ہے۔ اس میں بھی زراعت والوں نے بہت ترقی کی ہے۔ پھلوں اور پھولوں کو دیکھا جائے تو انہیں بھی ترقی دے کر کہاں سے کہاں پہنچا دیا گیا ہے۔ یہی چھوٹے چھوٹے گٹھلیوں والے آم جنہیں لوگ چوستے پھرتے ہیں اور جو پیسے پیسے دو دو پیسے سیر مل جاتے ہیں انہی کو ترقی دے کر کوئی لنگڑا نکل آیا ہے، کوئی فجری نکل آیا ہے کوئی دوسیری نکل آیا ہے، کوئی بمبئی نکل آیا ہے۔ غرض قسم قسم کے آم ایجاد کر لئے گئے ہیں اور ابھی ان کو اَور زیادہ بڑھایا جا رہا ہے اور ترقی یافتہ آموں میں سے اَور آم پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ پھولوں کو ہی دیکھ لو۔ ہمارے ملک میں پہلے ایک ہی گلاب کا سرخ پھول ہوا کرتا تھا مگر اب بیسیوں قسم کے پھول نکل آئے ہیں۔ کوئی گلاب کا سیاہ رنگ کا پھول ہے، کوئی گلاب کا زرد رنگ کا پھول ہے۔ اسی طرح کوئی سفید رنگ کا گلاب ہے اور کوئی کاسنی رنگ کا گلاب ہے۔ پھر کوئی چھوٹے حجم کا ہے اور کوئی اتنے بڑے حجم کا ہے کہ پرانے زمانہ کے کئی کئی پھول اس میں آ جاتے ہیں۔ اسی طرح گائیوں، بیلوں، بکریوں اور مرغیوں کی نسلوں کو دیکھ لو۔ وہ کیسی ترقی کر رہی ہیں اور کس طرح انسان نے کوشش کر کے ان کو پہلے سے زیادہ اعلیٰ بنا دیا ہے اور اس ساری ترقی کا گُر یہی ہے

کہ پہلے ایک عمدہ نسل کو چُن لیا جاتا ہے پھر اس میں سے عمدہ حصہ کو چُن لیا جاتا ہے اورپھر اس میں سے اَور عمدہ حصہ کو چن لیا جاتا ہے اور اس طرح دنیا ترقی کرتی چلی جا رہی ہے۔

غرض دنیا کے ہر شعبہ میں انتخاب اور انتخاب کے بعد مزید تگ و دَو اور محنت کے ساتھ اسے بڑھانا ہمیں دکھائی دیتا ہے اور یہی وجہ اس کی ترقی کی ہے۔اور جبکہ دنیا میں باقی تمام چیزوں کے متعلق ہمیں یہ نظارہ نظر آتا ہے تو کس طرح ممکن ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے اس کی ترقی کے راستے اللہ تعالیٰ نے نہ کھولے ہوں۔اُس نے کھولے ہیں اور یقیناً کھولے ہیں مگر انسان اپنے گرد و پیش کی اشیاء کی ترقی کی طرف تو توجہ کرتا ہے لیکن وہ اپنی نسل کی ترقی کی طرف کبھی توجہ نہیں کرتا۔ہر زمیندار چاہتا ہے کہ وہ اچھا مرغا لا کر زیادہ انڈے دینے والی اور زیادہ خوبصورت اور کارآمد مرغیاں پیدا کرے۔ہر زمیندار چاہتا ہے کہ وہ اچھا بیل لائے تاکہ اس سے بیلوں کی عمدہ نسل چلے۔ہر زمیندار چاہتا ہے کہ وہ گورنمنٹ فارم سے اچھے سے اچھا بیج خرید کر لائے تاکہ اس کی پیداوار زیادہ ہو۔ہر زمیندار چاہتا ہے کہ وہ اچھی کپاس بوئے تاکہ اس سے اعلیٰ فصل پیدا ہو۔ہر زمیندار چاہتا ہے کہ وہ باغ لگانے سے پہلے عمدہ سے عمدہ پودے لائے تاکہ اس کا باغ نہایت اعلیٰ ہو۔لیکن اس تمام کوشش کے بعد جب وہ اپنی ذات کی طرف آتا ہے تو وہ اس امر کی کوئی کوشش نہیں کرتا کہ اچھی نسل تیار کرے۔وہ اس امر کی کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ ایسی نسل پیدا کرے جو خاندان کے لئے عزت کا موجب ہو۔گویا اس کو اس بات کی تو ضرورت ہے کہ اس کی مرغیاں اچھی ہوں، اسے اس بات کی تو ضرورت ہے کہ اس کی بکریاں اچھی ہوں، اسے اس بات کی تو ضرورت ہے کہ اس کے بیل اچھے ہوں، اسے اس بات کی تو ضرورت ہے کہ اس کی گندم اچھی ہو لیکن اسے اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ دنیا میں جو انسان پیدا ہونے والے ہیں وہ بھی اچھے ہوں اور خاندان کی نیک نامی اور عزت کا موجب ہوں۔حالانکہ جسمانی اور روحانی

دونوں لحاظ سے انسان کے لئے ترقی کی بہت بڑی گنجائش ہے۔ مجھے ہمیشہ انگریزی قوم کی پرانی تصویریں اور آجکل کے انگریزوں کی شکلیں دیکھ کر حیرت آتی ہے کہ ان میں کس قدر فرق پیدا ہو گیا ہے۔ پرانی تصویروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریز کسی زمانہ میں بالکل چھوٹے قد کے تھے مگر اب انگریزوں کو دیکھ لو ان کے اتنے لمبے قد ہوتے ہیں کہ ہمارے ملک کے اچھے قد آور لوگ بھی ان کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھتے ہیں۔ ہمارے موجودہ وائسرائے اور ان کے بیوی بچے سارے اتنے لمبے قد کے ہیں کہ ہمارے ملک کے قد آور مرد بھی ان سے نیچے رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ اسی قوم کی پرانی تصویریں دیکھی جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انگریز معمولی چھوٹے قد کے تھے لیکن اس قوم نے اپنی نسل کی ترقی کی طرف توجہ کی اور ایسے سامان پیدا کئے کہ جن سے آئندہ نسل زیادہ بہتر ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اب انگریز پہلے سے بہت زیادہ قد آور اور مضبوط ہوتے ہیں۔ یہی حال اور متمدن ممالک کا ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں گورنمنٹ بھی گھوڑوں کی بہتری کے لئے تو کوشش کرتی ہے، گدھوں کی بہتری کے لئے تو کوشش کرتی ہے، مرغوں کی بہتری کے لئے تو کوشش کرتی ہے، بیلوں کی بہتری کے لئے تو کوشش کرتی ہے، بکریوں کی بہتری کے لئے تو کوشش کرتی ہے مگر انسانی نسل کی بہتری کے لئے کوئی کوشش نہیں کرتی اور ہمارے ملک کے لوگ تو بالکل آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں اور انہیں اپنی نسلوں کی ترقی کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ انہیں صرف یہ خیال رہتا ہے کہ روٹی پیٹ بھر کر مل جائے۔ چاہے وہ روٹی کھانے والا کتنا ہی ذلیل وجود کیوں نہ ہو۔ حالانکہ اچھی روٹی کے لئے اچھے کھانے والوں کی بھی تو ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح اچھے گھوڑے کے لئے اچھے سوار کی ضرورت ہوتی ہے اگر ایک انسان کو ناگوری بیل کی خواہش ہے تو اس ناگوری بیل کے لئے ایک چوڑے چکلے سینہ والے مضبوط آدمی کی بھی تو ضرورت ہو گی۔ آخر خود ہی سوچو وہ آدمی کیسا بد نما معلوم ہو گا جو خود تو ٹِھنگنا سا اور دبلا پتلا ہو اور کھانستا چلا جا رہا ہو مگر اس کے آگے آگے ناگوری بیل جارہا ہو۔ اسی طرح روٹی

پیٹ بھر کر مل جانا بے شک ایک اچھی بات ہے مگر اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ روٹی کھانے والا اچھا ہو۔ لیکن ہمارے ملک میں بیلوں کی طرف تو توجہ کی جاتی ہے، گھوڑوں کی طرف تو توجہ کی جاتی ہے، بکریوں کی طرف تو توجہ کی جاتی ہے، گندم کے بیج اور اس کے دانوں کی طرف تو توجہ کی جاتی ہے لیکن اگر نہیں توجہ کی جاتی تو انسان کی طرف، حالانکہ بیل اور انسان میں کوئی نسبت ہی نہیں ہوتی۔ ایک انسان کی صحت کی عمدگی اور گندم کے دانوں کی عمدگی میں کوئی نسبت ہی نہیں ہوتی۔ کپاس کے اچھا ہونے اور انسان کے اچھا ہونے میں کوئی نسبت ہی نہیں ہوتی مگر لوگ ان چیزوں کو تو اچھا بنانے کی کوشش کرتے ہیں مگر جس کی خاطر خدا تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو بنایا ہے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔ گھوڑے خدا نے کیوں بنائے ہیں اسی لئے کہ انسان کے کام آئیں۔ بیل خدا نے کیوں بنائے ہیں اس لئے کہ انسان کے کام آئیں، گندم خدا نے کیوں بنائی ہے اسی لئے کہ انسان کے کام آئے، کپاس خدا نے کیوں بنائی ہے اسی لئے کہ انسان کے کام آئے۔ مگر جس کی خاطر خدا تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو بنایا ہے اس کی طرف تو کوئی توجہ نہیں کی جاتی اور جو چیزیں انسان کی خادم ہیں ان کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ حالانکہ جسمانی اور روحانی ترقی کے لئے خدا تعالیٰ نے غیر محدود راستے رکھے ہوئے ہیں۔ جس طرح ایک انسان یہ خواہش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ٹھِنگنے اور چھوٹے سے قد کے بیل کی بجائے ناگوری بیل دے جو میرے بیل سے کئی گنا زیادہ ہل چلا دے۔ جس طرح وہ چاہتا ہے کہ ایک ٹھنگنی اور چھوٹی سی گائے کی بجائے اللہ تعالیٰ مجھے ایسی گائے دے جو دس دس بیس بیس سیر دودھ دینے والی ہو۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ہمارے ملک میں ہی ایسی گائیں ہیں جو مَن مَن دودھ دیتی ہیں۔ پھر جس طرح انسان یہ خواہش کرتا ہے کہ ایک چھوٹی سی بھینس کی بجائے جو نہایت ردّی اور دبلی پتلی ہو اور دودھ تو صرف دو تین سیر دیتی ہو مگر کھاتی بہت ہو۔ خد اتعالیٰ اسے ایسی بھینس دے جو دس پندرہ سیر دودھ دینے والی ہو اور جس سے دو سیر مکھن نکل آئے۔

اسی طرح ہر انسان کو یہ خواہش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور میری آئندہ نسلوں کو بھی اعلیٰ درجہ کی روحانی ترقیات عطا کرے۔ اور ہمیشہ ہمارا قدم روحانی ترقیات کے میدان میں بڑھتا چلا جائے۔ چنانچہ دیکھ لو ہمارے دلوں میں خدا تعالیٰ نے کس طرح بار بار اس خواہش کو پیدا کرنے کی تدبیر کی ہے۔ جب ہم سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ 1 کہتے ہیں تو اس کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ یہی معنے ہوتے ہیں کہ جس طرح دنیا میں بعض جسمانی دیو ہیں۔ یعنی بڑے بڑے مضبوط ناگوری بیل ہیں، بڑے بڑے خوبصورت اور عمدہ گھوڑے ہیں، بڑے بڑے قد آور مرغے ہیں۔ بڑی بڑی اعلیٰ نسل کی بکریاں ہیں۔ اسی طرح انسانوں میں بعض بڑے بڑے روحانی وجود ہیں۔ جیسے نوحؑ ہوئے، ابراہیمؑ ہوئے، موسیٰؑ ہوئے، داؤدؑ ہوئے، سلیمانؑ ہوئے ، عیسیٰؑ ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے اور صرف انہی پر بس نہیں۔ اور ہزاروں انبیاء ہوئے۔ بلکہ بعض حدیثوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار نبی ہوئے ہیں۔ 2 یہ انسانوں میں سے بڑے بڑے قد آور روحانی وجود تھے جن کے سامنے دوسرے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے گِٹھ مٹھیے یا بالشتیے ہوتے ہیں ۔ پس جب خدا تعالیٰ یہ کہتا ہے کہ تم یہ کہا کرو کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تو دوسرے الفاظ میں وہ انسان سے یہ کہتا ہے کہ مجھ سے یہ دعا کرو کہ اے خدا! میری گِٹھ مٹھیا اور بالشتیا روح کو بڑھا کر تو نوحؑ جتنا لمبا قد دے دے، ابراہیمؑ جتنا لمبا قد دے دے، موسیٰؑ جتنا لمبا قد دے دے، داؤدؑ جتنا لمبا قد دے دے، سلیمانؑ جتنا لمبا قد دے دے، عیسیٰؑ جتنا لمبا قد دے دے۔ اب دیکھ لو کس طرح خدا تعالیٰ نے ہمارے دل میں بنی نوع انسان کی ترقی کے متعلق خواہش پیدا کر دی ہے اور کس طرح اس دعا میں یہ سبق سکھلایا گیا ہے کہ ہر انسان کو یہ جدو جہد کرنی چاہئے کہ اس کا روحانی قد اس کی روحانی عظمت اور اس کی روحانی بڑائی ویسی ہی ہو جائے جیسے نوحؑ کی تھی، جیسے ابراہیمؑ کی تھی، جیسے موسیٰؑ اور داؤدؑ اور سلیمانؑ اور یعقوبؑ اور یوسفؑ اور عیسیٰؑ کی تھی۔ اور جیسے ان سب سے بڑھ کر ہمارے

آنحضرت ﷺ کی تھی۔ لیکن باوجود اس کے کہ مسلمانوں کے سامنے یہ مقصدِ عالی رکھا گیا تھا اور انہیں مجبور کیا گیا تھا کہ وہ پانچ وقت یہ دعا کریں پھر بھی ان کے دلوں میں اپنی اور بنی نوع انسان کی روحانی ترقی کے لئے کوئی تڑپ نہیں پائی جاتی۔ اور یہی وجہ ان کے روحانی تنزّل کی ہے۔ بھلا سوچو اگر تم کوئی ردّی قسم کا نہایت پرانا اور گلا سڑا گندم کا بیج زمین میں بو دو اور دعا یہ کرنے لگ جاؤ کہ یا اللہ! آٹھ الف گندم پیدا ہو جائے۔ یا اللہ! 591 پیدا ہو جائے۔ یا اللہ 518 پیدا ہو جائے تو کیا اس دعا کے نتیجہ میں تمہیں اعلیٰ قسم کی گندم مل سکے گی یا تمہارے پاس تو پرانی قسم کے ٹینی مرغے ہوں اور تم دعا یہ کرو کہ یا اللہ! ان سے لیگ ہارن (Leg horn) پیدا ہو جائیں۔ یااللہ! ان سے وائیٹ سسّیکس (White Sussex) پیدا ہو جائیں۔ یا اللہ! ان سے منارک (Monarch) پیدا ہو جائیں۔ یا اللہ ان سے رھوڈز آئی لینڈ (Rhodes Island) پیدا ہو جائیں۔ تو کیا تمہاری یہ دعا قبول ہو جائے گی؟

اسی طرح اگر تم دیسی کپاس بو کر بیٹھ جاؤ اور دعا کرنے لگ جاؤ کہ یا اللہ اس سے امریکن کپاس نکل آئے تو کبھی امریکن کپاس پیدا نہیں ہو گی۔ یا اگر تم چھوٹے چھوٹے تخمی آموں کو بو کر یہ دعا کرنے لگ جاؤ کہ یا اللہ لنگڑے نکل آئیں۔ یا اللہ فجری اور دوسیری نکل آئیں۔ تو کیا تم سمجھتے ہو کہ اس دعا کے نتیجہ میں تخمی آموں سے لنگڑے اور فجری اور دوسیری نکل آئیں گے؟ یہ دعا تو اسی وقت کام آئے گی جب تم لنگڑے کا پیوند لگاؤ گے یا امریکن کپاس بوؤ گے یا اعلیٰ قسم کے مرغے رکھو گے یا عمدہ قسم کی گندم کا بیج بوؤ گے۔ کیونکہ دعا عمل کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ عمل کے بغیر دعا قبول نہیں ہوتی۔

پس جب خدا تعالیٰ نے تمہیں یہ دعا سکھا کر کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یہ کہا تھا کہ تم نوحؑ بننے کی کوشش کرو، تم ابراہیمؑ بننے کی کوشش کرو، تم موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بننے کی کوشش کرو۔ تو اس کے صاف معنے یہ تھے کہ

تم اپنے دل میں وہ بیج لگاؤ جس کے نتیجہ میں نوحؑ کے ثمر پیدا ہوں، تم اپنے دل میں وہ بیج لگاؤ جس کے نتیجہ میں ابراہیمؑ کے ثمر پیدا ہوں، تم اپنے دل میں وہ بیج لگاؤ جس کے نتیجہ میں موسیٰؑ کے ثمر پیدا ہوں، تم اپنے دل میں وہ بیج لگاؤ جس کے نتیجہ میں عیسیٰؑ کے ثمر پیدا ہوں پھر تمہاری دعا کامیاب ہو گی، اور تب تم ان انعامات کو حاصل کر سکو گے جو پہلے لوگوں نے حاصل کئے۔ مگر باقی جگہوں پر تو تم ہمیشہ عقل اور ہوش سے کام لیتے ہو اور اچھا بیج بونے کی کوشش کرتے ہو مگر یہاں یہ کرتے ہو کہ بد دِلی کے ساتھ مُنہ سے صرف یہ الفاظ نکال دیتے ہو کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور اس انعام یافتہ گروہ کے نقش قدم پر چلنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ گویا بیج تو تم وہ بوتے ہو جو نہایت ردّی قسم کا ہے اور امید یہ کرتے ہو کہ اس سے اچھا پھل پیدا ہو۔ حالانکہ اچھے پھل کے حصول کے لئے یہ نہایت ضروری ہوتا ہے کہ عمدہ بیج ہو اور پھر اس بیج کے نشو و نما کے لئے جو سامان اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہوں ان سے کام لے کر اس بیج کو بڑھایا جائے کیونکہ خدا نے ایک ہی قانون بنایا ہے کہ جو حسین چیز پیدا ہو اسے اگر ترقی دی جائے تو وہ بڑھتی چلی جاتی ہے اور اگر اس کی ترقی کے لئے کوئی کوشش نہ کی جائے تو وہ چیز اپنے معیار پر قائم نہیں رہتی بلکہ گر جاتی ہے۔ مثلاً مَیں یہ نہیں سمجھتا کہ اس زمانہ میں جو اچھی گندم یا اچھی کپاس ہے وہ گزشتہ ترقی یافتہ گندم اور کپاس سے ضرور بہتر ہے بلکہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح کسی زمانہ میں انسان اچھے ہوتے ہیں مگر پھر بُرے ہو جاتے ہیں اسی طرح جانوروں اور کھیتوں وغیرہ کا حال ہے۔ کسی وقت قوم میں بیداری ہوتی ہے تو وہ مثلاً گھوڑے کی نسل کو ترقی دینے کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھوڑے کی نسل بہت اعلیٰ ہو جاتی ہے مگر پھر جب اس قوم پر جمود طاری ہو جاتا ہے اور وہ اپنی بیداری کو ترک کر دیتی ہے تو ترقی یافتہ نسل تنزّل کی طرف پھر جاتی ہے۔ ہندوستان کے ہی کئی علاقے ایسے ہیں جہاں کے گھوڑے بہت مشہور تھے۔ مگر اب اِن علاقوں کو یہ شہرت

حاصل نہیں۔اسی طرح اور کئی چیزیں ہیں جو پہلے بہت اعلیٰ تھیں۔پس میرا یہ مطلب نہیں کہ جو کچھ ترقی کی ہے انگریزوں نے ہی کی ہے بلکہ مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہر ملک نے جب بھی ترقی کی ہے۔اس نے اچھے بیج بھی پیدا کئے ہیں، اچھے گھوڑے بھی پیدا کئے ہیں، اچھے بیل اور اچھے مرغے بھی پیدا کئے ہیں مگر جب ملک کی توجہ ان چیزوں کو ترقی دینے کی طرف نہ رہی تو ان کی عمدگی کا معیار قائم نہ رہا اور پھر پہلی سی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔بہرحال ترقی پذیر زمانہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے سے سابق معیار کو بڑھا دیتا ہے اور بڑھاتا چلا جاتا ہے اور جب وہ اس کام سے غافل ہو جاتا ہے تو پھر تنزّل شروع ہو جاتا ہے اور تاریکی کا دَور دنیا پر غالب آ جاتا ہے۔

یہی حال انسانوں کا ہے انسان ایک زمانہ میں ترقی کرتے اور ترقی کرتے کرتے بڑے بلند مقام پر پہنچ جاتے ہیں مگر جب آئندہ نسل کی حفاظت نہیں کی جاتی تو وہ بھی گر جاتے ہیں اور وہ اپنے ساتھ اپنی نسل اور اپنے زمانہ کو بھی لے گرتے ہیں۔ وہ انسان جو ایسی ترقی سے گرنے والے ہوتے ہیں وہ بڑے ہی بدبخت ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو بھی تباہ کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی تباہ کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو ترقی کرنے والے وجود ہوتے ہیں وہ دنیا کے لئے عمود اور ستون کے طور پر ہوتے ہیں اور یہ صاف بات ہے کہ جب ستون گرے گا تو چھت بھی گر پڑے گی پس ایسے لوگوں کا گرنا صرف انہی کی ذات سے تعلق رکھنے والا ایک فعل نہیں ہوتا بلکہ دوسروں پر اثر انداز ہونے والا فعل ہوتا ہے اس لئے وہ خدا کے حضور جواب دہ ہوتے ہیں کیونکہ خدا ان سے کہے گا کہ تم ایسی حالت میں تھے کہ تم پر اور لوگوں کا بھی انحصار تھا۔پس تم نے اپنے آپ کو گرا کر باقی دنیا کو بھی تباہ کر دیا۔جیسے عربی میں ضرب المثل مشہور ہے کہ مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ یعنی جب کوئی عالِم مر جاتا ہے تو سارا جہان ہی مر جاتا ہے۔اس لئے کہ اس کے مرنے سے علم مٹ جاتا ہے، روحانیت مٹ جاتی ہے اور ان فوائد کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے جو لوگوں کو پہنچ رہے ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے

یہودیوں کے ان مظالم کو بیان کرتے ہوئے جو وہ رسول کریم ﷺ پر کیا کرتے تھے فرمایا ہے کہ دیکھو! ہم نے پہلے سے تمہیں خبر دے دی تھی کہ ایک ایسا انسان دنیا میں پیدا ہونے والا ہے کہ اگر تم اسے مارو گے تو تم سارے جہان کو مارنے والے قرار پاؤ گے۔ کیونکہ تمام دنیا کی نجات اور بھلائی اس سے وابستہ ہو گی۔ پس فرماتا ہے محمد ﷺ کے خلاف جو تمہاری کوششیں ہیں وہ ایسی نہیں کہ صرف ایک فرد کے خلاف ہوں بلکہ تم ان کوششوں کے ذریعہ سارے عرب کو مار رہے ہو، سارے ایران کو مار رہے ہو، سارے عراق کو مار رہے ہو، سارے ایشیا کو مار رہے ہو، سارے افریقہ کو مار رہے ہو، سارے یورپ کو مار رہے ہو کیونکہ دنیا کی روحانی زندگی محمد ﷺ سے وابستہ ہے۔ پس تمہاری دشمنی اس سے نہیں بلکہ سارے جہان سے ہے۔

غرض ہر ایک جو ترقی کرتا ہے اس کے ظرف اور اس کی کوشش کے مطابق اس کے متعلقین بھی ترقی کرتے ہیں اور ہر ایک جو گرتا ہے اور اس کے گرنے سے اس کے متعلقین بھی گرتے ہیں مگر یہ صرف جسمانی طور پر ہے۔ اُخروی زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرح نہیں ہوتا کہ ایک شخص کے گرنے سے اس کے آباء اور رشتہ داروں کو بھی نقصان پہنچ جائے۔ مثلاً یہ نہیں ہو گا کہ کوئی شخص بڑا کافر ہو تو اس کی اولاد بھی اگر وہ کافر ہو اسی کے برابر عذاب پائے لیکن ایک کی ترقی سے دوسروں کو فائدہ ضرور پہنچے گا اور یہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ اگر ایک انسان خود اچھا ہو تو اس کے ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ جو لوگ اعلیٰ درجہ کے روحانی مقامات رکھنے والے ہوں گے۔ خدا تعالیٰ ان کے ماں باپ اور بیوی بچوں کو بھی اگر وہ مومن ہوں ان کے پاس ہی رکھے گا۔ 3 حالانکہ ان کے عمل تھوڑے ہوں گے۔

اب دیکھو جو شخص اپنی زندگی میں اچھے اعمال بجا لاتا ہے وہ ان اعمال سے صرف

اپنے آپ کو ہی روحانی لحاظ سے بلند نہیں کرتا بلکہ اپنے ماں باپ کو بھی بلند کرتا ہے۔ دنیا میں لوگ کتنی خواہش کرتے ہیں کہ کاش کوئی ایسا ذریعہ ہوتا جس سے ہم اپنے ماں باپ کی روحانی ترقی میں حصہ لے سکتے۔ اور کئی ہیں جو پوچھتے رہتے ہیں کہ ہمارے ماں باپ فوت ہو گئے ہیں یا بیوی فوت ہو گئی ہے یا بچے فوت ہو گئے ہیں ان کو ثواب پہنچانے کے لئے ہم کیا طریق اختیار کریں۔ ان کا جی چاہتا ہے کہ وہ دس روپے غریبوں کو دے دیں اور اس کے بدلہ میں ان کے ماں باپ کو جنت کے بلند ترین مقام پر پہنچا دیا جائے۔ ان کا جی چاہتا ہے کہ وہ کپڑوں کا ایک جوڑا صدقہ دے دیں اور اس کے نتیجہ میں ان کی بیوی یا ان کے بچوں کو جنت کے اعلیٰ ترین مقامات میسر آ جائیں۔ حالانکہ یہ عارضی راحت پہنچانے والی چیزیں ہیں اور ان کے بدلہ میں اگر اتنا بھی ثواب مل جائے کہ جنت کی خوشبو کسی کو سونگھا دی جائے تو یہی ثواب بہت بڑا ہے مگر جو گُر خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں بتا دیا ہے اس کی طرف لوگ کوئی توجہ نہیں کرتے۔ کتنے ہیں جو کہتے رہتے ہیں کہ ہمارے ماں باپ مر گئے ہیں۔ ان کو کس طرح ثواب پہنچایا جائے۔ کتنے ہیں جو کہتے رہتے ہیں کہ ہمارے بچے فوت ہو گئے ہیں ہم ان کو کس طرح ثواب پہنچائیں۔ کتنے ہیں جو کہتے رہتے ہیں کہ ہماری بیویاں فوت ہو گئی ہیں۔ ہم کیا کریں جس کے نتیجہ میں انہیں جنت کے اعلیٰ مقامات حاصل ہوں۔ مَیں ان سب سے کہتا ہوں کہ آؤ مَیں تمہیں بتاؤں قرآن کریم میں لکھا ہے تم جنت کے جس درجہ میں ہو گے اسی درجہ میں تمہارے ماں باپ اور بیوی بچوں کو رکھا جائے گا۔ پس اگر تم ماں باپ کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہو تو اپنے ماں باپ سے زیادہ نیک بنو، متقی بنو اور اللہ تعالیٰ کے قرب کی راہوں میں غیر معمولی طور پر بڑھنے کی کوشش کرو۔ پھر جنت کے جس اعلیٰ مقام کو تم پا لو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ماں باپ اور تمہارے بیوی بچوں کو اسی جگہ لا کر رکھ دے گا۔ مگر جو گُر خدا نے بتایا ہے اس کی طرف تو لوگ توجہ نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ معمولی سی قربانی کے نتیجہ میں ان کے متعلقین کو جنت میں بہت بلند مقام حاصل ہو

جائیں۔حالانکہ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی مکھی مار کر دنیا کی فتح کا دعویٰ کرے۔ بے شک یہ بھی ایک اچھی چیز ہے اور مکھی جسم پر جب بیٹھتی ہے اور اس سے جو ناگواری پیدا ہوتی ہے وہ اس کے نتیجہ میں دور ہو سکتی ہے۔مگر چند مکھیاں مارنے سے دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا اورنہ چند مکھیاں مار کر دنیا کو فتح کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح صدقہ و خیرات سے مردہ ماں باپ کو فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے، صدقہ و خیرات سے مردہ بیوی کو فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے، صدقہ و خیرات سے مردہ خاوند کو فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے، صدقہ و خیرات سے مردہ اولاد کو فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے مگر جو چیز مرنے والے کو جنت کے بلند مقامات تک پہنچا سکتی ہے وہ یہی ہے کہ اولاد اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا زیادہ مقرب بنائے تاکہ جس مقام پر اسے رکھا جائے اسی مقام پر اس کے ماں باپ کو بھی لا کر رکھ دیا جائے۔اسی طرح بیوی اپنے آپ کو زیادہ نیک بنائے تاکہ جس مقام پر اسے رکھا جائے اسی مقام پر اس کے خاوند کو بھی لا کر رکھ دیا جائے۔خاوند اپنے آپ کو زیادہ نیک بنائے تاکہ جس اعلیٰ مقام پر وہ پہنچے اسی مقام پر اس کی بیوی کو بھی خدا تعالیٰ لا کر رکھ دے۔اگر اس رنگ میں ترقی کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کیا جائے تو جو اعلیٰ مقام کسی انسان کو حاصل ہو گا اسی مقام پر اس کے والدین اور بیوی بچوں اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی خدا تعالیٰ پہنچا دے گا۔بشرطیکہ ان میں ایمان ہو اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کیا ہوُا ہو۔

یہ گُر ہے جو خدا تعالیٰ نے مردہ ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے قرآن کریم میں بیان کیا ہوُا ہے۔جب تک کوئی اس کی طرف توجہ نہیں کرتا اُس وقت تک اُس کا دوسرے طریقوں سے کام لینا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے قید خانہ میں کسی قیدی کو ان دنوں میں جبکہ گورنمنٹ کی طرف سے اجازت ہوتی ہے تھوڑی سی مٹھائی پہنچا دی جائے۔اس مٹھائی کے کھانے سے اسے وقتی طور پر تو راحت حاصل ہو جائے گی مگر پوری راحت حاصل نہیں ہو گی۔پوری راحت اسے

اُسی وقت میسر آئے گی جب وہ قید سے آزاد ہو جائے گا۔اسی طرح صدقہ و خیرات سے مرنے والے کو جو فائدہ پہنچتا ہے وہ عارضی ہوتا ہے۔ مستقل فائدہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ قریبی رشتہ دار جن سے وہ وابستہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے قرب میں اس سے زیادہ ترقی کر جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب کوئی شخص اس طرح میرے قرب کو حاصل کر لے تو بشرطیکہ اس کے ماں باپ اور دوسرے رشتہ دار مومن ہوں ان کو بھی جنت میں ترقی دے دی جائے گی اور ان کو اسی مقام پر رکھا جائے گا جس مقام پر وہ ہے۔روحانی ترقیات کے حصول کے متعلق ہمیں قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دو دَور ہوتے ہیں۔ایک انفرادی ترقی کا دور ہوتا ہے اور ایک دَور وہ ہوتا ہے جب بندے کے ارادہ سے خدا تعالیٰ کا ارادہ مل جاتا ہے۔جب انسان کی جد و جہد منفرد حیثیت رکھتی ہے اورانفرادی ترقی کا دَور ہوتا ہے اس وقت اگر کوئی شخص کوشش کرتا ہے تو وہ اپنی کوشش کے مطابق ترقی تو کر لیتا ہے اور اس کی کوششوں کا پھل بھی اسے مل جاتا ہے مگر اُس وقت اس کی کوششیں ایسی ہوتی ہیں جیسے دریا کے بہاؤ کے خلاف کوئی تیرنے کی کوشش کرے۔تم سمجھ سکتے ہو کہ جب کوئی شخص دریا کے بہاؤ کے خلاف تیرنے کی کوشش کرے گا اور اُدھر جانا چاہے گا جدھر سے پانی آ رہا ہو گا تو اسے کتنی مشکل درپیش آئے گی۔اسی طرح انفرادی ترقی سخت محنت چاہتی ہے اور اس کے نتیجہ میں جو فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ بہت معمولی ہوتا ہے۔لیکن ایک دَور وہ ہوتا ہے جب خدا یہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ وہ دنیا کو بڑھائے اور اسے ترقی دے۔اُس وقت جو شخص روحانی دریا میں تیرتا ہے اس کے تیرنے اور اس شخص کے تیرنے میں جو بہاؤ کے خلاف تیرتا ہے کوئی نسبت ہی نہیں ہوتی۔جب کوئی شخص دریا کے بہاؤ کے خلاف تَیرے گا تو خواہ وہ کتنا بڑا تیراک ہو گھنٹہ بھر میں سو دو سو گز سے زیادہ تیر نہیں سکے گا۔لیکن اگر کوئی شخص بہاؤ کے رُخ پر تیرے تو وہ گھنٹہ بھر میں دو تین میل نکل جائے گا۔اسی طرح جب بندے کے ارادے سے خدا تعالیٰ کا ارادہ مل جاتا ہے اُس وقت اس کی

ترقی کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں اور انسان کی معمولی کوشش کے نتائج بھی بہت شاندار نکلتے ہیں۔ گویا اس دَور سے فائدہ اٹھانے والوں کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کوئی ریل میں سفر کر رہا ہو۔ اور دوسرے دَور والوں کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کسی نے بوجھ اٹھایا ہوُا ہو اور پیدل سفر کر رہا ہو۔ پھر جس شخص کے لئے خدا تعالیٰ نے ریل میں سفر کرنے کے سامان مہیا کر دیئے ہوں وہ اگر اس میں سفر کرنے سے کوتاہی کرے تو اس سے زیادہ بد بخت اور کون ہو سکتا ہے۔

یہ دَور جس میں بندوں کا ارادہ خدا تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ مل جاتا ہے اور خدا تعالیٰ خود چاہتا ہے کہ دنیا کو ترقی عطا کرے۔ انبیاء علیہم السلام کا دَور ہوتا ہے جب خدا تعالیٰ کے انبیاء آتے ہیں اس وقت خدا تعالیٰ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ وہ دنیا کو بڑھائے گا اور اسے روحانیت میں ترقی عطا کرے گا۔ پس ایسے وقت میں تھوڑی سی جد وجہد اور تھوڑی سی کوشش بھی انسان کو کہیں کا کہیں پہنچا دیتی ہے اور ذرا سی محنت کے نتیجہ میں بڑے بڑے شاندار نتائج پیدا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو۔ آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے بعض صوفیاء کہلانے والے بڑے بڑے مجاہدات کیا کرتے تھے۔ راتوں کو جاگتے، دنوں کو عبادتیں کرتے اور بڑی بڑی چِلّہ کشیاں کرتے مگر ان تمام ریاضتوں، تمام عبادتوں اور تمام کوششوں کے باوجود وہ خالی ہاتھ رہتے اور خدا تعالیٰ کے الہام سے مشرف نہیں ہوتے تھے۔ مگر اب یہ حالت ہے کہ اگر کوئی احمدی دو نفل بھی زیادہ پڑھ لے تو اس پر الہام نازل ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا فرق ہے جو دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی عمریں عبادت اور مجاہدات میں صرف کر دیں مگر وہ الہام سے محروم رہے اور دوسری طرف احمدی ہیں کہ وہ چند نفل پڑھ کر ہی الہام سے مشرف ہو جاتے ہیں۔ یہ امتیاز اور تفاوت اِسی وجہ سے ہے کہ اس وقت خدا بھی دنیا کو اپنی طرف لانا چاہتا ہے اور اُس کا منشاء ہے کہ دنیا میں روحانی حکومت قائم کی جائے۔ پس پہلے زمانہ کے لوگوں کی مثال ایسی تھی جیسے کوئی بوجھ اٹھا کر آسمان کی طرف

چڑھنا چاہے اور یہ وہ زمانہ ہے جس میں خدا نے خود آسمان سے رسّی پھینکی ہے اور اس نے لوگوں سے کہہ دیا ہے کہ بس رسّی پکڑ لو میں فوراً تمہیں آسمان پر کھینچ لوں گا۔ پس اب بندے کا کام صرف اُس رسّی کو ہاتھ ڈالنا ہے باقی تمام کام خدا تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لیا ہوُا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا زمانہ خاص برکات کا زمانہ ہوتا ہے اور جو قومیں اس زمانہ میں کوتاہی سے کام لیتی ہیں وہ خطرناک الزام کی مورد بن جاتی ہیں۔

ہمارا یہ زمانہ بھی وہی ہے جبکہ روحانی ترقی کی طرف قدم اٹھانے والا بہاؤ کی طرف تیرنے والے کا حکم رکھتا ہے کیونکہ اِس وقت خدا تعالیٰ کا منشاء ہے کہ خاص طور پر روحانی حکومت قائم کی جائے اسی روحانی حکومت کے قیام کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنا مامور بھیجا ہے۔ اتنے لمبے انتظار کے بعد کہ دنیا اس کا انتظار کرتے کرتے تھک گئی تھی۔ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد لوگوں نے انتظار کرنا شروع کیا کہ اب مسیح آتا ہے، اب مسیح آتا ہے۔ جب بھی ان پر کوئی بلا آئی انہوں نے سمجھا کہ اس کو دور کرنے کے لئے مہدی اور مسیح آئے گا۔ جب بھی وہ کسی مصیبت میں پھنسے ان کی نظریں اس امید کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھیں کہ شاید ہمیں اس مصیبت سے نکالنے کے لئے مسیح آ جائے لیکن خدا نے اس نعمت کو تمہارے زمانہ کے لئے مقدر کیا ہوُا تھا۔ پس یہ کتنا عظیم الشان فضل ہے کہ بغیر اس کے کہ ہماری طرف سے کوئی کوشش ہو بغیر اس کے کہ ہمارا کوئی استحقاق ہو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کو ہم میں نازل کیا جس طرح تمام دنیا محمد ﷺ کی آمد کی منتظر تھی مگر اس شدید انتظار کے بعد عرب کے لوگوں کو یہ نعمت عطا کی گئی اور یہودی اس حسد کی وجہ سے جل اٹھے کہ یہ نعمت انہیں کیوں ملی ہمیں کیوں نہیں ملی۔ حالانکہ یہ خدا کی دَین تھی اور وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے فضل نے ہم میں وہ شخص بھیجا جس کے زمانہ کا انبیاء تک شوق سے انتظار کرتے چلے آئے تھے۔ دوسروں کا کیا کہنا ہے خود رسول کریم ﷺ کے شوق کو دیکھو۔ آپ فرماتے ہیں۔ اگر تمہیں مہدی

کے مبعوث ہونے کی خبر ملے تو اس کے پاس اگر تمہیں گھٹنوں کے بَل چل کر بھی جانا پڑے تو جاؤ اور اس کی بیعت کرو۔4 پھر آپ نے فرمایا۔ اگر تمہیں مسیح مل جائے تو میرا بھی اس سے سلام کہنا۔5 اس خادم کی کیا شان ہے جس کو سلام کہنے کا آقا اتنا مشتاق ہے کہ وہ لوگوں سے کہتا ہے میرا سلام یاد رکھنا اور اسے بھول نہ جانا۔ پھر سوچو۔ جس شخص کو سلام کہنے کا محمد ﷺ کو اس قدر اشتیاق تھا اُس کی امت کے دلوں میں اس کے متعلق کتنا بڑا اشتیاق پیدا ہونا چاہئے تھا اور اس نعمت کے ملنے پر انہیں کتنا خوش ہونا چاہئے تھا۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ کوئی شخص باہر سے آیا۔ غالباً وہ گجرات کے ضلع کا رہنے والا تھا یا کسی اَور ضلع کا مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ بہرحال وہ آیا اور اس نے بڑے شوق سے آگے بڑھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اورآپ سے مصافحہ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے پھر اپنے ہاتھ آگے بڑھائے اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ یہ کیسا عجیب انسان ہے اس نے جب پہلی دفعہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ دیا تھا تو اب دوبارہ اسے سلام کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام بھی اس پر حیران سے ہوئے اور آپ نے اس سے پوچھا کہ جب آپ ایک دفعہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ چکے تھے تو اب دوبارہ آپ نے کیوں سلام کیا ہے؟ وہ کہنے لگا۔ حضور پہلا سلام محمد ﷺ کی طرف سے تھا کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ جب تم مسیح سے ملو تو اسے میر اسلام کہہ دینا۔ پس مَیں نے پہلی دفعہ رسول کریم ﷺ کا سلام آپ کو پہنچایا اور دوسری مرتبہ مَیں نے اپنی طرف سے آپ کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا ہے۔ مَیں نہیں جانتا کہ اس شخص کا کیا نام تھا۔ مَیں اس وقت بچہ تھا جب یہ واقعہ ہوا۔ مگر مَیں جانتا ہوں کہ اس سادہ سے فعل سے اس نے اپنے لئے بہت بڑی برکتیں جمع کر لیں کیونکہ بعض دفعہ چھوٹی سی بات بڑے بڑے ثواب کا موجب بن جاتی ہے اور بعض دفعہ چھوٹی سی بات بڑے بڑے عذاب کا موجب بن جاتی ہے۔ کیا چھوٹی سی بات تھی جو ایک مدینہ کے نوجوان کے

مُنہ سے نکلی کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے مگر محمد ﷺ نے غنیمت کے اموال مکہ والوں میں تقسیم کر دیئے۔ قوم میں جاہل بھی ہوتے ہیں، دینی تعلیم سے ناواقف بھی ہوتے ہیں، جلد باز بھی ہوتے ہیں۔ مگر بعض مواقع اس قسم کے فضلوں کے نزول کے ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے قوم کا ہر فرد اچھی بات کرے۔ فتح مکہ کا وقت بھی ایسا ہی تھا۔ جب قوم کا ہر فرد خدا تعالیٰ کے حضور گرا ہوا ہونا چاہیئے تھا اور دنیا کے مال کا خیال اس وقت کسی ایک فرد کے دماغ میں بھی نہیں آنا چاہیئے تھا۔ رسول کریم ﷺ کو جب یہ بات پہنچی تو آپ نے انصار کو بلایا اور فرمایا اے انصار مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے بعض نے یہ کہا ہے کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے مگر محمد ﷺ نے اموال اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیئے۔ انصار کو جو عشق رسول کریم ﷺ سے تھا اس کا اندازہ دوسرے لوگ نہیں لگا سکتے۔ رسول کریم ﷺ کے مُنہ سے یہ فقرہ سننا تھا کہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ وہ ہچکیاں مار مار کر رونے لگ گئے اور انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ ہم میں سے ایک نادان نوجوان کے مُنہ سے یہ فقرہ نکلا ہے۔ آپ نے فرمایا اے انصار! گو ایک نوجوان کے مُنہ سے نکلا مگر نکل تو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اے انصار! تم کہہ سکتے ہو کہ محمد ﷺ کو اس کی قوم نے اپنے گھر سے نکال دیا تب ہم نے اسے پناہ دی اور جب اس کی قوم کے لوگ اسے قتل کرنے کے لئے آئے تو ہم نے اپنی جانیں دے کر اس کی حفاظت کی اور اپنی ہر چیز اس کے راستہ میں قربان کر دی۔ پھر ہماری مدد سے ہی اس نے ایک لشکر تیار کیا جس نے مکہ کو فتح کیا۔ مگر جب مکہ فتح ہو گیا تو محمد ﷺ نے اموال غنیمت تو اپنے رشتہ داروں کو بانٹ دیئے اور ہمیں کچھ نہ دیا۔ انصار نے پھر روتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم یہ نہیں کہتے۔ ہم میں سے ایک نادان نوجوان نے یہ الفاظ کہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے انصار! اس بات کا ایک دوسرا پہلو بھی تھا اور تم اگر چاہو تو یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسول آیا جسے قبول کرنے کی خدا نے ہمیں توفیق عطا فرمائی پھر اس نے ہمیں اس بات کی بھی

توفیق بخشی کہ ہم نے اس کی مدد اور نصرت کی۔ یہاں تک کہ خدا نے اپنے دین کو غالب کیا اور وہ مکہ جو مخالفت کا گڑھ تھا فتح ہو گیا۔ جب مکہ فتح ہوا تو مکہ کے لوگوں کے دلوں میں خیال آیا کہ شاید ان کی کھوئی ہوئی نعمت پھر انہیں واپس مل جائے گی اور وہ رسول جس کو انہوں نے ردّ کر دیا تھا پھر ان کے شہر میں واپس آ جائے گا۔ مگر ہوا یہ کہ مکہ کے لوگ تو اونٹ ہانک کر اپنے گھروں میں لے گئے اور مدینہ کے لوگ خدا کے رسول کو اپنے ساتھ لے گئے۔ پھر آپ نے فرمایا اے انصار! بے شک تم میں سے ایک نوجوان نے یہ بات کہی ہے مگراس کے نتیجہ میں اب یہی مقدر ہے کہ دنیا میں تم کو کوئی نعمت نہیں ملے گی۔ تم اپنا حصہ اب مجھ سے حوض کوثر پر ہی آ کر لینا۔6 چنانچہ آج تک انصار میں سے کسی کو حکومت نہیں ملی۔ تو وقت وقت کی بات ہوتی ہے بعض دفعہ ایک چھوٹی سی خدمت انسان کو بہت بلند مدارج تک پہنچا دیتی ہے اور بعض دفعہ ایک چھوٹی سی بات انسان کو تحت الثّریٰ میں گرا دیتی ہے۔ پس ایسے وقت میں جب خدا دنیا کی اصلاح کے لئے کسی نبی کو بھیجتا ہے۔ ترقی کے دروازے بہت کُھلے ہوتے ہیں اور جو لوگ تھوڑی سی خدمت بھی کرتے ہیں ان کی خدمت کو وہ خوب بڑھاتا اور انہیں مدارج پر مدارج عطا کرتا ہے۔ مگر ساتھ ہی سزا کے دروازے بھی بہت کھلے ہوتے ہیں کیونکہ اس وقت جو شخص سُستی کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے ارادہ کے رستہ میں روک بنتا ہے اوروہ اس کچی دیوار کے مشابہہ ہوتا ہے جو دریا کے بہاؤ کے مُنہ پر بنائی جائے۔ تم جانتے ہو کہ دریا کے مقابلہ میں اس کا کیا حال ہو گا۔ اس کا تو کیچڑ بھی نظر نہیں آئے گا اور کوئی چیز اسے برباد ہونے سے بچا نہیں سکے گی۔ پس ایسے زمانہ میں جہاں اللہ تعالیٰ کے انعامات کے دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ وہاں اگر کوئی ایسے کام کرتا ہے جن سے ترقی میں روک واقع ہوتی ہے تووہ خدا تعالیٰ کی گرفت میں آ جاتا ہے۔

اِس وقت بھی خدا تعالیٰ کا ایک خاص ارادہ ظاہر ہوا ہے اور اُس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ احمدیت کے ذریعہ رسول کریم ﷺ کی حکومت کو پھر دنیا میں قائم کرے۔

پس آج اسلام کے مٹے ہوئے نقشوں کو پھر تازہ کرنے کا خدا تعالیٰ نے تہیّہ کر لیا ہے۔ پھر اس کی گری ہوئی دیواروں کو فرشتے نئے سرے سے کھڑا کر رہے ہیں۔ چنانچہ یا تو یہ حالت تھی کہ دشمن کا ہر حملہ جو اسلام کی دیواروں پر ہوتا تھا کامیاب ہوتا نظر آتا تھا اور خیال کیا جاتا تھا کہ اگر وہ ایک طرف سے دھکا دے گا تو دیوار کی دوسری طرف کو بھی نقصان پہنچ جائے گا اور یا یہ حالت ہے کہ اب اسلام کی دیواریں پھر مضبوط ہو رہی ہیں اور پھر اس میں ایسی طاقت پیدا ہو گئی ہے کہ دنیا کے سر اِس سے ٹکرا ٹکرا کر ٹوٹ جائیں گے۔ مگر اس کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

بے شک اس وقت اس کی نشو و نما ایک کونپل کی طرح ہے مگر وہ چٹان بھی جس کو توڑنے کے لئے انجن لگا دیئے جائیں خطرہ میں ہوتی ہے اور وہ کونپل جس کی حفاظت کے لئے خدا تعالیٰ کے فرشتے پہرہ دے رہے ہوں خطرہ میں نہیں ہوتی۔ پس بے شک اسلام اس وقت ایک کونپل کی شکل میں ہے اور دشمن کی طاقت چٹانوں کی طرح مضبوط ہے۔ مگر ان چٹانوں کو فرشتے توڑ رہے ہیں اور اس کونپل کی وہ ننگی تلواروں سے حفاظت کر رہے ہیں۔ پس اب اسلام روز بروز بڑھتا چلا جائے گا۔ اور کیا عیسائیت اور کیا یہودیت اور کیا ہندو مت اور کیا بدھ مت سب اس سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے۔ اور روحانی طور پر پھر اِس کے نفوذ کو دنیا کے کناروں تک پہنچایا جائے گا اور پھر تمام ادیان پر یہ دین غالب آئے گا اور پہلے سے زیادہ شان اور زیادہ عظمت کے ساتھ غالب آئے گا۔ کیونکہ یہی وہ زمانہ ہے جس کی نسبت قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ 7 یعنی خدا نے محمد ﷺ کو اس لئے مبعوث کیا ہے تا اس کے لائے ہوئے دین کو تمام دنیا کے مذاہب پر غالب کرے اور دلائل و براہین کی رو سے اسلام کی برتری اور فوقیت تمام مذاہب پر ثابت کر دے۔

اب دیکھو اس آیت میں بھی کیا ہی لطیف طور پر اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا تھا کہ یہ غلبہ اُس زمانہ میں ہو گا جب مسلمانوں کے ہاتھ میں صرف تبلیغ کا

ہتھیار ہو گا، تلوار نہیں ہو گی۔ محمد ﷺ کے زمانہ میں مسلمانوں کی ظاہری فتوحات مذہبی فتوحات سے پہلے ہوا کرتی تھیں۔ مکہ کو مسلمانوں نے پہلے فتح کیا اور بعد میں مکہ کے لوگوں نے اسلام قبول کیا، نجد کو پہلے رسول کریم ﷺ نے فتح کیا مگر نجد کے رہنے والے بعد میں مسلمان ہوئے۔ اسی طرح شام کو مسلمانوں نے پہلے فتح کیا اور شام کے رہنے والے بعد میں مسلمان ہوئے، عراق کو مسلمانوں نے پہلے فتح کیا اور عراق کے رہنے والے بعد میں مسلمان ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ وعدہ کیا تھا کہ اسلام کی یہ فتح دینوں پر ہو گی اور دینوں پر فتح تبلیغ سے ہی ہوتی ہے تلوار سے نہیں ہوتی۔ پس اس آیت میں ایسے ہی زمانہ کا ذکر تھا جس میں تبلیغ سے کام لیا جانے والا تھا۔ اور وہ زمانہ یہی ہے جس میں سے ہم اس وقت گزر رہے ہیں۔ مَیں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے حق میں اس پیشگوئی کے پورا کرنے میں مدد دینے کے لئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ جو خدائی وعدہ ہے کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔" 8 اس کو پورا کرنے کے لئے تحریک جدید کا اجراء آج سے سات سال پہلے کیا۔ اور مَیں نے اپنی طرف سے بغیر کسی نفس کی ملونی کے وہ تمام باتیں جن کو مَیں قرآن کریم، احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کی روشنی میں اسلام کے لئے مفید اور ممد سمجھتا تھا چُن کر جماعت کے سامنے پیش کر دیں۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ وہ اس تحریک کو پہلے تمہارے اندر اور پھر باقی تمام دنیا میں کامیاب کرے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ راستہ کٹھن ہے اور اس پر چلنا ہمت طلب کام ہے اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ بعض دوستوں نے پہلے جوش کا اظہار کیا مگر بعد میں اپنے جوش اور قربانی کی روح کو انہوں نے قائم نہیں رکھا۔ گویا ایسے بھی ہیں جو صداقت اور راستی سے اس راستہ پر چلتے چلے جاتے ہیں جس کو انہوں نے اختیار کیا۔ مگر بعض ایسے بھی ہیں جن سے اس راستہ میں کوتاہیاں سرزد ہوئیں۔ مگر بہرحال ہمارا فرض یہی ہے کہ جس کام کی ذمہ داری خدا نے ہم پر ڈالی ہے ہم اسے کئے جائیں اور راستہ کی مشکلات اور

صعوبتوں سے نہ گھبرائیں۔ سپاہی کا کام یہ نہیں ہوتا کہ وہ فتح پا کر لوٹے۔ فتح خدا کے اختیار میں ہوتی ہے سپاہی کا کام لڑنا ہوتا ہے۔ چاہے لڑائی میں اسے فتح حاصل ہو یا لڑتا لڑتا مارا جائے۔ پس فتح میرے اختیار میں نہیں۔ جس چیز کی میرے خدا نے مجھے مقدرت دی ہے وہ یہ ہے کہ میں اس کے فضل سے اس لڑائی کو جاری رکھوں۔ یہاں تک کہ موت آ جائے یا اس لڑائی کے نتیجہ میں فتح حاصل ہو جائے۔ عواقب کا مجھے خیال نہیں، نتیجہ کی مجھے پرواہ نہیں۔ یہ خدا کی چیز ہے اور اس کا ذمہ دار وہ آپ ہے۔ مجھے صرف اس امر کا خیال ہے کہ مَیں اور دوسرے وہ لوگ جنہوں نے اس لڑائی میں حصہ لیا ہے ایسی دیانتداری کے ساتھ اپنے فرض کوادا کریں کہ ہم خدا سے یہ کہہ سکیں کہ اے خدا! ہم تیرے جلال کے اظہار اور تیرے دین کے غلبہ کے لئے اپنی ہر ممکن کوشش صرف کرتے رہے ہیں۔ اب ہماری کوششوں کا انجام تیرے ہاتھ میں ہے۔ تُو اپنے فضل سے ہمارے غلبہ کے سامان پیدا فرما دے۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ ممکن ہے ہمیں کبھی شکست ہو جائے۔ یہ قطعی طور پر ناممکن ہے مگر پھر بھی مَیں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے دل کے کسی گوشہ میں بھی یہ خیال نہیں آنا چاہئے کہ ہم فتح حاصل کرنے کے لئے لڑرہے ہیں۔ ہم صرف اس لئے لڑ رہے ہیں کہ اپنا حق ادا کر دیں اور اس عہد کو پورا کر دیں جو ہم نے اپنے خدا سے کیا ہے۔ باقی اس کے نتائج اگر ہماری زندگی میں نکل آئے تو ہم اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھ لیں گے اور اگر زندگی میں نہ نکلے تو ہماری موت کے بعد خدا کا منشاء پورا ہو جائے گا اور مجاہد ہونے کا جو ثواب ہمیں خدا نے عطا کرنا ہے وہ اس کی بارگاہ سے ہمیں آخرت میں مل جائے گا۔ بہرحال آج اس تحریک کے مالی مطالبات کا آٹھواں سال شروع ہوتا ہے اور مَیں اس خطبہ کے ذریعہ اس کے آغاز کا اعلان کرتا ہوں۔ سات سال تحریک جدید پر گزر چکے ہیں اور اب آٹھواں سال شروع ہوتا ہے۔ مَیں نے اس تحریک کا دس سال کے لئے اعلان کیا تھا۔ جس میں سے سات سال گزر چکے ہیں۔ گویا دو تہائی سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے اور اب ایک تہائی سے بھی کم وقت باقی رہ

گیا ہے۔ پس اب اس حصۂ عمل کی منزل خدا تعالیٰ کے فضل سے قریب آ گئی ہے۔ گو مومن کا عمل دنیا میں کبھی ختم نہیں ہوتا۔

وہ لوگ جو اپنے آگے نکل جانے والے بھائیوں سے سات سال پیچھے رہ گئے ہیں۔ اگر ان کے دلوں میں ایمان پایا جاتا ہے تو آج وہ کس حسرت سے یہ دیکھ رہے ہوں گے کہ قافلہ سات سال آگے نکل گیا اور ہم پیچھے رہ گئے۔ آج انہیں خیال آتا ہو گا کہ ان سات سالہ قربانیوں کے نتیجہ میں یہ لوگ مرے تو نہیں، یہ لوگ تباہ اور برباد تو نہیں ہوئے۔ دنیوی لحاظ سے بھی ان کے گزارہ میں کوئی خاص مشکلات پیدا نہیں ہوئیں۔ پس آج ان کے دلوں میں کس قدر حسرت پیدا ہو رہی ہو گی کہ ہم قافلہ میں شامل نہ ہوئے اور وہ سات سال آگے نکل گیا۔ مگر وہ لوگ جو اس تحریک میں شامل ہوئے آج خوش ہیں کیونکہ اِن کی منزل ان کے قریب تر ہو گئی ہے۔ لیکن ان لوگوں کی اس حسرت کا علاج میرے پاس کوئی نہیں۔ ہاں ان لوگوں پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو ابتدا سے اس تحریک میں شامل رہے ہیں کیونکہ اگر وہ اپنی غفلت اور کوتاہی سے سرے پر پہنچ کر گر جائیں گے تو یہ بہت بڑے افسوس کا مقام ہو گا۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

قسمت میری دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لبِ بام رہ گیا

پس بے شک ان لوگوں کو بھی بڑی حسرت ہو گی جو اس سفر میں شریک نہیں ہوئے اور پیچھے رہ گئے ہیں۔ وہ آج اپنے اردگرد نظر ڈالتے ہوں گے تو خیال کرتے ہوں گے کہ اس تحریک میں شامل ہونا کونسی بڑی بات تھی مگر اس سے بھی زیادہ حسرت اُس شخص کو ہوتی ہے جو لبِ بام پہنچ کر گر جائے۔ وہ تو یہ خیال کر رہا ہو کہ اب مَیں صرف ہاتھ اوپر کروں گا تو چھت پر پہنچ جاؤں گا مگر عین اُس وقت رسّی ٹوٹے اور وہ نیچے گر جائے اور پھر ناکامی کا مُنہ دیکھنے لگ جائے۔ اس پیاسے کو بھی بڑی تکلیف ہوتی ہے جسے پانی نہ ملے۔ مگر اُس شخص کو تو بہت ہی تکلیف ہوتی

ہے جو پانی پینے کے لئے آبخورا اپنے مُنہ سے لگا لے اور اچانک کوئی دوسرا اس سے آبخورا چھین کر لے جائے۔ پس وہ لوگ جنہوں نے اس میدان میں اپنا قدم بڑھایا ہوُا ہے اور جو گزشتہ سات سال سے قربانی کرتے چلے آ رہے ہیں مَیں ان کو بتاتا ہوں کہ ان کے لئے یہ بہت نازک ایام ہیں۔ اب ایک لمبے عرصہ کا بھیانک خیال کہ ہمیں دس سال مسلسل قربانی کرنی پڑے گی ان کے دلوں سے جاتا رہا ہے اور اب وہ زمانہ آ گیا ہے جس کے متعلق ان کے ذہن میں یہی آسکتا ہے کہ اب اکثر حصہ گزر چکا ہے اور منزل قریب آ گئی ہے۔ آج اس منزل میں تین سال کا عرصہ باقی رہتا ہے۔ پھر جن کو خدا تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی اور زندگی دی انہیں ایک سال گزرنے کے بعد دو سال باقی نظر آئیں گے اور جنہوں نے دو سال گزار لئے انہیں صرف ایک سال جو آخری سال ہو گا دکھائی دے گا اور پھر اس ایک سال کے بعد وہ دن آئے گا جب تمام سال گزر چکے ہوں گے۔ تب ان کا دل خوشیوں سے معمور ہو گا اور وہ اس بات پر خدا تعالیٰ کا شکر بجا لائیں گے کہ اس نے اپنے فضل سے انہیں اس لمبی قربانی میں شمولیت کی توفیق عطا فرمائی۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے دس سال پہلے اس تحریک میں شمولیت کے لئے قدم نہیں اٹھایا ہو گا ان کے دل حسرت و اندوہ سے بھر جائیں گے۔ اس تحریک کے پہلے تین سالوں میں جماعت نے بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اس کے بعد جب اسے دس سال میں پھیلا دیا گیا تو مَیں نے اس قدر زور نہ دیا اور نہ جماعت نے اس تیز گامی کو قائم رکھا جو پہلے سالوں میں تھی۔ مَیں نے یہ سمجھا کہ ہر تحریک میں قبض و بسط کا زمانہ ہوتا ہے۔ ان درمیانی چار سالوں کو قبض کا زمانہ ہی سمجھ لو۔ چنانچہ مَیں نے ایسے قانون بنا دیئے جن کے نتیجہ میں ہر سال چندہ میں معمولی زیادتی کر کے بھی انسان سَابِقُوْنَ میں شامل ہو سکتا ہے۔ مثلاً مَیں نے کہا کہ اگر کسی نے پہلے سال پانچ روپے دیئے ہوں تو دوسرے سال وہ پانچ روپے ایک پیسہ، تیسرے سال پانچ روپے دو پیسے۔ اور چوتھے سال پانچ روپے تین پیسے دے سکتا ہے۔ اور مَیں نے چندہ میں خاص طور پر زیادتی کرنے کے

متعلق زور نہ دیا۔ لیکن اب جبکہ 2/3 حصہ سے زیادہ گزر چکا ہے۔ مَیں آٹھویں سال کی تحریک کا اعلان کرنے کے ساتھ پھر جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ اب ان تین سالوں میں وہ پھر سَابِقُوْنَ کی سی تیز گامی اختیار کریں۔ اب منزل قریب آ رہی ہے اور قربانی کے ان بابرکت ایام کا دوبارہ میسر آنا ان کے لئے بہت مشکل ہو گا کیونکہ اس قسم کی تحریک بہت کم ہوتی ہے اور بہت ہی نازک دَوروں میں ہو سکتی ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ اس عرصہ میں جنگ کا خاتمہ کر دے اور اسی عرصہ میں ایسے حالات پیدا کر دے جو اسلام اور احمدیت کے لئے مفید ہوں۔ اور پھر ہمیں اس قسم کے چندوں کی ضرورت نہ رہے۔ اُس وقت خواہ کوئی شخص کتنی بڑی مالی قربانی کرے گا اور خواہ دس لاکھ روپیہ سلسلہ کے سامنے لا کر رکھ دے گا اس روپیہ کا اسے وہ ثواب نہیں ملے گا جو آج چند روپے دینے والوں کو ثواب مل سکتا ہے۔ پس مَیں ان آخری تین سالوں کی تحریک میں سے پہلے سال کی تحریک کرتے ہوئے پھر دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ بیدار ہو جائیں اور سمجھ لیں کہ ان کی منزل ان کے قریب آ گئی ہے۔ اب کسی لمبی قربانی کا سوال نہیں بلکہ صرف تین سال قربانی کرنے کا مطالبہ ہے۔ اس لئے وہ صرف اتنی کوشش نہ کریں جو انہیں قربانی کے کم سے کم معیار پر رکھے بلکہ تین سال کا عرصہ چونکہ نہایت محدود عرصہ ہے اور جلدی ختم ہو جانے والا ہے اس لئے ان کو چاہئے کہ وہ زیادہ زور اور زیادہ ہمت سے کام لیں اور اس سال پھر وہ اپنی قربانی کی رفتار کو بڑھا دیں جیسے دن ڈوبتے وقت گھر کا کام کرنے والا مزدور زیادہ محنت سے کام کرتا ہے۔ اجرت پر کام کرنے والا مزدور تو سارا دن ہی سُستی سے کام کرتا ہے مگر جن کے اپنے گھر کا کام ہو وہ جب دیکھتے ہیں کہ سورج غروب ہونے والا ہے تو زیادہ تن دہی اور زیادہ محنت سے کام کرنے لگ جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب تو دن ڈوبنے والا ہے۔ اب ہمیں زیادہ محنت سے کام کر کے اسے جلدی ختم کر دینا چاہئے۔ اسی طرح اس تحریک کا دن بھی اب ڈوبنے والا ہے۔ یعنی وہ کام ختم ہونے والا ہے جس میں شمولیت کی جماعت کے

دوستوں کو تحریک کی جا رہی تھی ورنہ یوں قربانیاں کبھی ختم نہیں ہو سکتیں۔ وہ جاری رہیں گی اور کسی نہ کسی صورت میں جماعت سے ان قربانیوں کا مطالبہ ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ اِس وقت سوال ایک معیّن قربانی کا ہے اور یہ قربانی تین سال کے بعد ختم ہو جائے گی۔ پس جس طرح دن ڈوبتے وقت مزدور زیادہ محنت سے کام کرنے لگ جاتا ہے اسی طرح چونکہ تحریک کے مالی قربانی کے حصہ کا دن اب ڈوبنے والا ہے اس لئے پہلے سے بھی زیادہ زور سے کام کرو تاکہ شام سے پہلے کام ختم ہو جائے۔ دنیا میں انسان جب یہ سمجھتا ہے کہ اب وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں سے گزر رہا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کی زیادہ کوشش کیا کرتا ہے۔ اسی طرح ان تین سالوں میں خدا تعالیٰ کو جس قدر خوش کرنا چاہتے ہو خوش کر لو کہ نہ معلوم پھر ایسا موقع میسر آئے یا نہ آئے۔

مَیں نے جماعت کے دوستوں کو بارہا بتایا ہے کہ اس سرمایہ سے ایک بہت بڑی جائداد پیدا کی جا رہی ہے جس کی آمد تحریک جدید کے اغراض اور اشاعت دین پر صرف کی جائے گی۔ پس ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ تحریک جدید کی میعاد کے ختم ہوتے ہی یہ جائداد کلی طور پر آزاد ہو جائے۔ اس جائداد کو ہم نے اقساط پر خریدا ہوا ہے اور تمام اقساط کی ادائیگی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب پھر ہماری جماعت کے تمام دوست کمر ہمت کَس کر کھڑے ہو جائیں اور ان آخری تین سالوں میں زیادہ سے زیادہ مالی قربانی کا نمونہ پیش کریں۔ وعدوں کے لحاظ سے بھی اور پھر ان وعدوں کو بروقت پورا کرنے کے لحاظ سے بھی۔ مَیں نے اس تحریک میں جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے بعض قواعد مقرر کئے تھے اور مَیں نے کہا تھا کہ جو چندہ کوئی شخص پہلے سال دے اس پر ہر سال اگر معمولی زیادتی بھی کرتا چلا جائے تو وہ سَابِقُوْنَ میں شامل ہو جائے گا۔ مَیں سمجھتا ہوں میری اس تحریک پر قریباً ہر احمدی نے اپنے چندے کو اس رنگ میں بدل دیا ہے کہ وہ اپنے چندہ میں ہر سال کچھ نہ کچھ اضافہ کرتا ہے۔ گو وہ اضافہ کیسا ہی معمولی کیوں نہ ہو اور اگر بعض نے ابھی تک اس رنگ میں

اپنے چندوں کو نہیں بدلا تو مَیں خیال کرتا ہوں کہ وہ اب بدل دیں گے اور انہی لوگوں کی لسٹ میں آنے کی کوشش کریں گے جو ہر سال پہلے سال سے اضافہ کے ساتھ چندہ پیش کرتے ہیں۔ مگر بعض لوگوں نے اس کے مفہوم کے سمجھنے میں سخت غلطی کی ہے اور انہوں نے اس قانون سے ایسے رنگ میں فائدہ اٹھانا چاہا ہے جو صحیح نہیں۔ یعنی انہوں نے اتنے الفاظ کو تو لے لیا کہ ہر دفعہ چندہ بڑھا دیا جائے مگر انہوں نے اس امر کو مدنظر نہیں رکھا کہ ان کا چندہ قربانی والا چندہ ہے یا نہیں۔ مثلاً ہماری جماعت میں بعض ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جن کی آمد سو یا ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار ہے مگر انہوں نے پہلے سال کا چندہ پانچ روپیہ دے دیا ہے۔ دوسرے سال انہوں نے پانچ روپے ایک آنہ دے دیا۔ تیسرے سال انہوں نے پانچ روپے دو آنے دے دیئے اور چوتھے سال پانچ روپے تین آنے دے دیئے۔ اب بظاہر تو وہ بھی سَابِقُوْنَ میں ہی شامل ہیں اور دسویں سال پانچ روپے نو آنے چندہ دے کر وہ سَابِقُوْنَ کی اس ظاہری لسٹ میں شامل ہو جائیں گے جو ہم تیار کریں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان کی قربانی کی کیا حقیقت ہے۔ یہ لوگ بظاہر بڑھا کر چندہ دینے والے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی نگاہ میں بڑھا کر دینے والے نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ اپنی سالانہ آمد کا ایک فیصدی حصہ چندہ میں دیتے ہیں جو ایک نہایت ہی ادنیٰ قربانی ہے۔ اب تو ہم نے سینما دیکھنے کی ممانعت کی ہوئی ہے لیکن اس سے پہلے یہی سَو اور ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار آمد رکھنے والے سال بھر میں پانچ دس روپے سینما دیکھنے پر ہی خرچ کر دیا کرتے تھے۔ پھر کئی چھوٹی چھوٹی چیزیں ہوتی ہیں جن پر وہ اس سے بہت زیادہ روپے خرچ کر دیا کرتے ہیں مگر جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی کا سوال آتا ہے تو وہ پانچ یا دس روپے سے زیادہ قربانی نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگوں کو بیشک مَیں قاعدہ کی رو سے کچھ نہیں کہہ سکتا مگر ان کے تقویٰ کی طرف ان کو توجہ دلاتا ہوں۔ بے شک وہ ظاہری طور پر اپنا چندہ زیادہ کرنے والے تو ہیں لیکن وہ سوچیں کہ کیا خدا تعالیٰ کی نگاہ میں بھی وہ اعلیٰ درجہ میں شامل ہیں؟ جب وہ سینما پر اس سے

زیادہ خرچ کر دیا کرتے تھے، جب وہ گھر کی اور بیسیوں چھوٹی چھوٹی ضروریات پر اس سے بہت زیادہ روپیہ خرچ کر دیا کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی یہ قربانی کس طرح قبول کی جا سکتی ہے جو ادنیٰ سے ادنیٰ قربانی ہے۔ درحقیقت وہی لوگ قربانی کرنے والے ہیں جو قربانی کے بوجھ کو محسوس کریں لیکن اگر کوئی شخص سو یا ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار آمد رکھتا ہو اور وہ پانچ روپے خدا تعالیٰ کے رستہ میں دے دے تو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ایسی مالی قربانی کی ہے جس کے بوجھ کو اس نے محسوس کیا ہے۔ اس کے معنے تو یہ ہیں کہ وہ سَو یا ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار لے کر سات آنے ماہوار کی قربانی کرتا ہے حالانکہ اس سے زیادہ وہ اپنی چُوڑھی کو دے دیتا ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے وہ چیز پیش کرتا ہے جو اس کا چُوڑھا بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے وہ چیز پیش کرتا ہے جو اس کا دھوبی بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی وہ سمجھتا ہے کہ اس کا نام خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں ان لوگوں میں لکھا ہونا چاہئے جنہوں نے اس کا قرب حاصل کیا اور جن پر اس کے غیر معمولی فضل نازل ہوں گے۔

تو یہ ایک بڑی بھاری غلطی ہے جو بعض دوستوں کو لگی ہوئی ہے کہ انہوں نے پہلے سال کا چندہ اپنی استطاعت سے بہت کم دے کر اسے بڑھانا شروع کر دیا۔ حالانکہ یہ رعایت صرف ان لوگوں کے لئے تھی جنہوں نے پہلے تین سالوں میں بہت زیادہ چندہ دے دیا تھا۔ اور اب ان کے لئے اسی نسبت سے مسلسل دس سال قربانی کرتے چلے جانا مشکل تھا۔ پس ایسے لوگ جنہوں نے اپنی تمام کی تمام پونجی پہلے سال یا ابتدائی تین سالوں میں دے دی تھی یا وہ لوگ جنہوں نے اپنی حیثیت سے بڑھ کر چندہ دے دیا تھا ان کو آئندہ اس تحریک میں شامل رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ ان سے رعایتیں کی جاتیں تاکہ وہ لوگ جنہوں نے قربانی کا نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا تھا وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے دوسروں سے پیچھے نہ رہ جائیں مگر اس

سے ان لوگوں کا فائدہ اٹھا لینا جو اپنی حیثیت اور اپنی مالی وسعت کے مقابلہ میں بہت کم قربانی کر رہے ہیں۔ یہ انسانوں کی نگاہ میں تو بے شک اچھا بن جانے والی بات ہے مگر خداتعالیٰ کی نگاہ میں انہیں اچھا نہیں بنا سکتی۔ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اس چندہ میں حصہ لینے والے وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے ایک سال میں دو دو ماہ کی آمد دے دی تھی۔ اسی طرح اس میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے اپنا تمام اندوختہ دے دیا تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ مَیں نے یہ رعایت کر دی تھی کہ چونکہ وہ اپنا سارا اندوختہ دے چکے ہیں یا اپنی حیثیت سے بہت بڑھ کر مالی قربانی کر چکے ہیں اس لئے ان کے چندوں کو یا تو باقی سالوں میں پھیلا لیا جائے اور یا پھر پہلے سال انہوں نے جس قدر چندہ دیا تھا اسی قدر چوتھے سال دے دیں اور پھر ہر سال اس پر زیادتی کرتے چلے جائیں۔ مگر ان کے علاوہ ہماری جماعت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی ایک ماہ کی آمد سے زیادہ چندہ دیتے ہیں بلکہ ایسے بھی ہیں جو قریباً دو ماہ کی آمد کے برابر اس میں چندہ دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض اپنی ماہوار آمد کا نوّے فیصدی چندہ دیتے ہیں بعض اپنی ماہوار آمد کا اسّی فیصدی چندہ دیتے ہیں۔ بعض اپنی ماہوار آمد کا ستّر فیصدی چندہ دیتے ہیں۔ بعض اپنی ماہوار آمد کا ساٹھ فیصدی چندہ دیتے ہیں اور بعض اپنی ماہوار آمد کا پچاس فیصدی چندہ دیتے ہیں۔ مگر جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے بعض ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے صرف پانچ روپے چندہ دے کر اسے بڑھانا شروع کر دیا اور سمجھ لیا کہ وہ سَابِقُوْنَ میں شامل ہو گئے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اگر سو روپیہ ماہوار آمد ہے اور وہ پانچ روپیہ چندہ دیتے ہیں تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ وہ بارہ سو روپیہ سالانہ آمد پر صرف پانچ روپے چندہ دیتے ہیں۔ اگر وہ فی سینکڑہ صرف آٹھ آنے چندہ دیتے تب بھی چھ روپے بنتے مگر وہ پانچ روپے دیتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک سَو روپیہ آمد کے مقابلہ میں آٹھ آنے کی بھی قربانی نہیں کرتے اور اگر کسی کی ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار آمد ہے اور وہ صرف پانچ روپے چندہ دیتا ہے تو اس کے معنے یہ بنتے ہیں کہ وہ ڈیڑھ سو روپیہ لے کر

صرف تین چار آنے خدا تعالیٰ کو دیتا اور پھر اس کا نام قربانی رکھتا ہے۔ حالانکہ ادنیٰ سے ادنیٰ کاموں پر بھی اگر کوئی شخص تین چار آنے خرچ کر دے تو وہ اسے قربانی نہیں کہتا۔ عام انسانی ضروریات پر ہی ہر شخص اس سے بہت زیادہ خرچ کر دیا کرتا ہے۔ اسی طرح صدقہ و خیرات کے طور پر انسان ماہوار اس سے زیادہ خرچ کر دیتا ہے۔ مگر کبھی اس کا نام قربانی نہیں رکھتا۔ کُجا یہ کہ وہ عظیم الشان قربانی جس سے اشاعت دین کے لئے ایک مستقل بنیاد رکھی جانے والی ہے۔ اس میں ایک شخص سَو یا ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار آمد رکھتے ہوئے اتنا قلیل حصہ لے اور پھر یہ خیال کرے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور سَابِقُوْنَ میں شمار کیا جائے گا ایسے لوگوں میں بالعموم وہ ہیں جو بعد میں شامل ہوئے۔ اگر وہ اس طرح نام کی قربانی کرنے کی بجائے یہ خیال کرتے کہ ہم بعد میں شامل ہوئے ہیں ہمیں زیادہ زور دینا چاہئے تاکہ پہلوں کے برابر ہو سکیں۔ تو یہ ان کے لئے اچھا ہوتا۔ بے شک اکٹھا چندہ دینا ان کے لئے مشکل امر تھا۔ مگر وہ یہ کر سکتے تھے کہ اپنے گزشتہ چندہ کو اگلے سالوں میں پھیلا کر ادا کرتے اور اگر پھر بھی بوجھ ان کی طاقت سے بالا ہوتا تو تحریک کے سالوں کے بعد ایک دو سال میں اسے ادا کر دیتے کیونکہ آخر وہ بعد میں شامل ہوئے تھے اور یہ حق ان کو مل سکتا تھا کہ گزشتہ چندہ کو بعد کے سالوں میں پھیلا دیتے۔ بہرحال قربانی وہی کہلا سکتی ہے جو واقع میں قربانی ہو۔ اب جبکہ صرف تین سال تحریک جدید کے رہ گئے ہیں۔ مَیں ایسے لوگوں کو بھی ان کی غلطی کی اصلاح کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور انہیں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اب بھی اپنے چندوں کو درست کر لیں جس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ گزشتہ چندے آئندہ سالوں میں پھیلا کر ادا کر دیں۔ تحریک جدید کی میعاد کے اختتام پر ان کے ذمہ جو بقایا رہ جائے گا اسے وہ بعد کے دو تین سالوں میں ادا کر سکتے ہیں۔ بہرحال انہیں اپنی اصلاح کرنی چاہئے اور اس غلطی کی تلافی کی کوشش کرنی چاہئے۔

مَیں ان کو بھی توجہ دلاتا ہوں جو اب تک اس تحریک میں شامل نہیں ہوئے

اور ان سے کہتا ہوں۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ 9 یعنی کیا مومنوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ خدا کے ذکر کے لئے ان کے دل جھک جائیں۔ صوفیاء نے لکھا ہے کہ ایک بزرگ تھے جن کے ہمسایہ میں ایک سخت اوباش اور آوارہ مزاج امیر رہتا تھا۔ اس کی مجلس میں ہر وقت ناچ اور گانا بجانا ہوتا رہتا تھا۔ شراب نوشی کا دَور بھی چلتا رہتا۔ چونکہ لوگوں کے اخلاق پر اس کا بہت بُرا اثر پڑ رہا تھا اس لئے انہوں نے اس امیر آدمی کو بارہا روکا مگر وہ اپنے فعل سے باز نہ آیا۔ ایک دن وہ کہتے ہیں مَیں مکہ کا حج کر رہا تھا کہ مَیں نے سامنے اسی امیر شخص کو دیکھا اور اس کے چہرے سے اس قدر انکسار اور فروتنی ظاہر ہو رہی تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ روحانیت سے گداز ہو چکا ہے۔ چونکہ انہیں اس شخص سے جدا ہوئے مدت ہو چکی تھی اس لئے وہ اُس سے ملے اور کہنے لگے مَیں تم میں یہ کیا تبدیلی دیکھتا ہوں تم کو تو گانے والی لڑکیوں شراب نوشی کے دور اور رقص و سرود کی محفلوں میں بیٹھا ہونا چاہئے تھا اور مَیں تو سمجھتا تھا کہ تمہاری ہدایت بالکل ناممکن ہے کیونکہ مَیں نے تم کو بڑے بڑے وعظ کئے تھے۔ تمہیں خدا نے کس طرح ہدایت دے دی؟ وہ کہنے لگا۔ آپ بالکل سچ کہتے ہیں مجھے آپ نے بھی وعظ کئے اور دوسرے واعظوں نے بھی مجھے بہت سمجھایا۔ مگر کسی وعظ کا مجھ پر اثر نہ ہوا۔ یہانتک کہ وہ سمجھا سمجھا کر تھک گئے۔ ایک دن میں اپنے کوٹھے پر بیٹھا تھا بزم طرب لگی ہوئی تھی۔ خوبصورت اور حسین عورتیں گانا گا رہی تھیں اور شراب کا دَور چل رہا تھا کہ نہ معلوم خدا کا کونسا بندہ میرے لئے فرشتۂ رحمت بن گیا۔ وہ میرے مکان کے قریب کی گلی میں سے گزر رہا تھا اور یہ آیت پڑھتا جا تا تھا اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ ارے مومنو! کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تمہارے دل خدا تعالیٰ کے ذکر کے لئے جھک جائیں۔ جس وقت اس نے یہ آیت پڑھی مجھے یوں محسوس ہوا کہ یہ آیت ابھی نئے سرے سے نازل ہوئی ہے۔ یکدم میری چیخ نکل گئی۔ شراب کا گلاس میرے ہاتھ سے گِر گیا اور مَیں توبہ کرکے نیک اعمال بجا لانے کی

طرف متوجہ ہو گیا۔ اس آیت میں جو ذِکْرُ اللّٰہِ کا لفظ آتا ہے اس کے معنے صرف مُنہ سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے نہیں بلکہ وہ خدا کا ذکر جس کے ساتھ عمل نہ ہو انسان کے لئے عذاب کا موجب ہو جاتا ہے۔ اصل ذِکْرُ اللّٰہِ یہی ہے کہ انسان مُنہ کے ساتھ عملاً بھی ذکر الٰہی کرے اور دین کی ترقی کے لئے وہ قربانیاں کرے جن کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کا ذکر بلند ہو۔ ایک شخص جو مُنہ سے ذکر الٰہی کرتا ہے مگر اپنے عمل سے خدا تعالیٰ کے ذکر کو بلند کرنے کے لئے کوئی قربانی نہیں کرتا وہ ہرگز ذکر الٰہی کرنے والا قرار نہیں پا سکتا۔ پس جو لوگ اس تحریک میں اب تک شامل نہیں ہوئے مَیں ان سے بھی کہتا ہوں کہ اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خداتعالیٰ کے ذکر کو بلند کرنے کی اہمیت کو محسوس کریں اور اس ذِکْرُ اللّٰہِ کی طرف جلدی سے اپنے قدم بڑھائیں۔ قافلہ اب منزل کے قریب پہنچ رہا ہے۔ کیا اب بھی ان کے دلوں میں حسرت پیدا نہیں ہوتی۔ کیا اب بھی ان کے دلوں میں جوش پیدا نہیں ہوتا اور کیا اب بھی ان کے دلوں میں یہ خواہش پیدا نہیں ہوتی کہ وہ اپنی گزشتہ کوتاہیوں کا ازالہ کر کے اپنے آگے بڑھنے والے بھائیوں کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ مَیں ان کو بھی توجہ دلاتا ہوں جو گو پہلے چندے دیتے رہے ہیں لیکن انہوں نے اس قدر قربانی نہیں کی جس قدر کہ ان کے دوسرے بھائی کرتے رہے ہیں کہ وہ ان تین سالوں سے فائدہ اٹھا کر معمولی زیادتی کی جگہ خاص زیادتی کے ساتھ ان تین سالوں میں حصہ لیں تاکہ ان کا انجام اعلیٰ درجہ کے لوگوں والا ہو اور خواتیمِ اعمال کے مطابق ہی انسان کا درجہ ہوتا ہے۔ پس اب بھی وقت ہے کہ جو دوست پہلے کم چندہ دیتے رہے ہیں یا قربانی کے مقام کو انہوں نے پہلے صحیح طور پر نہیں سمجھا تھا یا ان دوستوں کی قربانی اور عمل کو دیکھ کر جن کے حالات ان سے زیادہ اچھے نہیں مگر انہوں نے قربانی ان سے زیادہ کی ہے۔ اب ان کے اندر بھی یہ احساس پیدا ہو چکا ہے کہ انہیں زیادہ قربانی کرنی چاہئے تھی۔ وہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ کریں اور آئندہ تین سالوں میں زیادہ قربانیاں کر

کے اس آخری دور میں اپنے آپ کو آگے نکالنے کی کوشش کریں۔

مَیں ان کو بھی توجہ دلاتا ہوں جو اخلاص کے ساتھ اس میں حصہ لیتے رہے ہیں کہ اب یہ دور ختم ہونے والا ہے۔وہ تھکیں نہیں اور جو مقام ان کو اللہ تعالیٰ نے سات سال تک دیا ہے اسے قائم رکھنے کی کوشش کریں اور اسے مضبوطی سے پکڑ لیں۔تم اپنے باپ کی جائداد کسی کو چھیننے نہیں دیتے ،تم اپنا مال کسی کو چھیننے نہیں دیتے، تم اپنا عہدہ کسی کو چھیننے نہیں دیتے۔پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے تم اپنا اعلیٰ روحانی مقام دوسرے کو چھیننے دو گے۔

مَیں ان کو بھی توجہ دلاتا ہوں جو اَب احمدیت میں داخل ہوئے ہیں کہ وہ بھی اس تحریک میں شامل ہو کر اپنے بھائیوں سے آ ملیں۔جیسا کہ مَیں کہہ چکا ہوں وہ اپنے سابق سالوں کا چندہ نئے سالوں کے ساتھ ادا کر دیں بلکہ اگر ان پر زیادہ بوجھ ہو تو تحریک کے ایک دو سال بعد تک بھی ادا کر سکتے ہیں اور اس غرض کے لئے وہ مہلت حاصل کر سکتے ہیں۔

مَیں ان کو بھی توجہ دلاتا ہوں جن کو خدا تعالیٰ نے نئی نوکریاں دی ہیں سینکڑوں اور ہزاروں ایسے لوگ ہیں جن کو فوجی کاموں کی وجہ سے ملازمتیں ملی ہیں اور اس طرح خدا تعالیٰ نے ان کے لئے دنیوی فضل کا دروازہ کھولا ہے۔وہ اسے روحانی دنیا کے لئے بھی کھولنے کی کوشش کریں اور اس کے شکریئے میں ایسی قربانیاں کریں جو انہیں روحانی فضلوں کا وارث کر دیں۔

مَیں یہ بھی توجہ دلاتا ہوں کہ جو لوگ وعدے کریں وہ جلد سے جلد ان کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ ان کی قربانی سے سلسلہ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے۔چاہئے کہ جو دوست سَابِقُوْنَ میں شامل ہونا چاہیں وہ مارچ تک اپنے چندے ادا کر دیں۔ جن سے یہ نہ ہو سکے ان کے لئے دوسرا دَور جولائی کے آخر تک ہے۔وہ جولائی کے آخر تک اپنے چندے ادا کر دیں اور جن سے یہ بھی نہ ہو سکے وہ اگلے سال کے نومبر کے آخر تک اپنے چندے ادا کر دیں۔مَیں ان کو بھی جو اَب تک سابق سال کا چندہ

ادا نہیں کر سکے توجہ دلاتا ہوں کہ ان سے جو کوتاہی ہو چکی ہے اس کا دسمبر اور جنوری کے مہینہ میں ازالہ کرنے کی کوشش کریں۔اور دسمبر اور جنوری میں اپنا چندہ ادا کر دیں تاکہ نیا سال انہیں وعدہ کے ایفاء میں اَور بھی پیچھے نہ ڈال دے۔

مَیں ان کارکنوں کو بھی جنہوں نے تحریک جدید کے کام کو اپنے ذمہ لیا ہوُا ہے توجہ دلاتا ہوں کہ ان کو خدا تعالیٰ نے بہت بڑے ثواب کا موقع دیا ہے۔وہ بھی بیدار ہوں اور اپنے مقام کی عظمت کو سمجھیں۔انہیں خدا تعالیٰ نے دوہرے بلکہ تہرے ثواب کا موقع عطا کیا ہوُا ہے کیونکہ وہ اس چندہ میں خود بھی شامل ہوتے ہیں اور دوسروں سے بھی چندہ وصول کرتے ہیں۔پس انہیں صرف اپنے چندہ کا ہی ثواب نہیں ملتا بلکہ دوسروں سے چندہ وصول کرنے کا بھی ثواب ملتا ہے اور یہ وہ امر ہے جس کا رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فیصلہ فرما چکے ہیں۔چنانچہ آپ نے فرمایا جو شخص نیکی کرتا ہے اسے بھی ثواب ملتا ہے اور جو دوسرے کو نیکی کی تحریک کرے اُسے دُہرا ثواب ملتا ہے۔ایک خود نیکی کرنے کا اور دوسرا نیکی کی تحریک کرنے کا۔10 اسی طرح تحریک جدید کا جو کارکن اپنا چندہ ادا کرنے کے علاوہ دس آدمیوں سے چندہ وصول کر کے بھجواتا ہے اسے ان دس آدمیوں کا ثواب ملتا ہے اور جو بیس آدمیوں سے چندہ وصول کر کے بھجواتا ہے اُسے اِن بیس آدمیوں کا ثواب ملتا ہے۔جب اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے دروازوں کو اس طرح کھول رکھا ہے تو جو شخص اب بھی سُستی سے کام لیتا ہے اس کی حالت کس قدر افسوس ناک ہے۔پس مَیں تحریک جدید کے کارکنوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ وہ دسمبر کی بیس تاریخ تک اپنی جماعتوں سے چندے کی فہرستیں مرتب کر کے بھجوا دیں اورجو کام باقی رہ جائے اس کی تاریخ 31 جنوری تک ہو گی۔کیونکہ جلسہ سالانہ کے بعد اپنے اپنے گھروں کو جا کر لوگ 10۔15 جنوری سے کام شروع کرتے ہیں۔پس پنجاب اور ان دوسرے علاقوں کے لئے جہاں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے وعدے بھیجنے کی آخری تاریخ 31 جنوری ہے۔مگر وہ لوگ یقیناً ہمارے کام میں سہولت پیدا کرنے والے ہوں گے جن کے وعدے بیس دسمبر تک

آ جائیں گے۔

جن علاقوں میں اردو زبان بولی نہیں جاتی مثلاً بنگال ہے یا مدراس ہے یا اسی طرح غیر زبان بولنے والے اور صوبجات ہیں۔ ان کے وعدوں کی آخری میعاد 30، اپریل ہے اسی طرح ہندوستان کے باہر دوسرے ممالک میں رہنے والے ہندوستانیوں کے لئے بھی 30 اپریل آخری تاریخ ہے۔ البتہ غیر ملکی لوگوں کے لئے جیسے امریکہ وغیرہ کے رہنے والے ہیں 30 جون تک وعدوں کی میعاد ہے۔

مَیں امید کرتا ہوں کہ جماعت کے دوست اس تحریک کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس میں حصہ لیں گے۔ یاد رکھو دنیا میں وہی قومیں ترقی کیا کرتی ہیں جو اپنا قدم ہمیشہ آگے بڑھاتی ہیں۔ اگر گندم کو ترقی دے کر اسے بڑھایا جا سکتا ہے، اگر سبزیوں اور ترکاریوں کو ترقی دے کر انہیں بڑھایا جا سکتا ہے ، اگر آموں کو ترقی دے کر انہیں بڑھایا جا سکتا ہے، اگر گھوڑوں، گدھوں، بیلوں اور بکریوں کو ترقی دے کر انہیں بڑھایا جا سکتا ہے تو سوچو کہ خدا تعالیٰ کی اشرف المخلوقات کو ترقی دے کر کیوں بڑھایا نہیں جاسکتا۔ یقیناً جس طرح اور چیزیں ترقی کر رہی ہیں اسی طرح بنی نوع انسان بھی ترقی کر سکتے ہیں اور وہ اپنے روحانی کمالات سے دنیا کو محوِ حیرت کر سکتے ہیں بالخصوص ہماری جماعت تو وہ ہے جسے خدا نے ترقی کے لئے ہی پیدا کیا ہے اوروہ چاہتا ہے کہ تمام دنیا پر ہماری جماعت کو غالب کرے۔ پس ہماری جماعت کو اپنے اندر ایسا تغیّر پیدا کرنا چاہئے کہ جس طرح اچھے بیج قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اس طرح ہماری جماعت کو دیکھ کر لوگ اس کی قدر کرنے لگ جائیں اور وہ کہہ اٹھیں کہ دنیا ایسی قیمتی جماعت کو دیکھنے سے آج تک محروم رہی ہے۔"

(الفضل 7 دسمبر 1941ء)

---

1 الفاتحہ: 6، 7

2 مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 265-266 مطبوعہ بیروت

3 وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ

شَيۡءٍ ؕ كُلُّ امۡرِىٴٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيۡنٌ۔ (الطور:22)

4 ابن ماجہ ابواب الفتن باب خروج المہدی

5 مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 298، 299

6 بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الطائف

7 التوبۃ: 33، الصف: 10

8 تذکرہ صفحہ 312۔ ایڈیشن چہارم

9 الحدید: 17

10 مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اَلْحَثُّ عَلَى الصَّدَقَةِ (الخ)